بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرم مراد

توہینِ رسالت کا حالیہ مقدمہ، معمول کے مطابق محض جرم و سزا کا ایک مقدمہ ہوتا تو کوئی بات نہ تھی۔ اگر دونوں ملزم بے گناہ تھے، یا ان کا جرم شرعی معیارِ شہادت کے مطابق ثابت نہ ہو سکا تھا، یا اس میں کوئی ادنیٰ سا بھی شبہ تھا، تو حق و انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ ان کو بری کر دیا جائے: اس حق و انصاف اور رحم و درگزر کا جس کی تعلیم ہمیں اسی نے دی ہے، صلی اللہ علیہ وسلم، جس کی توہین کا یہ مقدمہ تھا، جس نے بدترین دشمن کے ساتھ بھی عدل و رحم کا برتاؤ کیا ہے، اور ہر قیمت پر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ تو ہمارے معاہد اور برابر کے شہری تھے۔ مگر پورے مقدمہ کے دوران جس طرح اور جس پیمانہ پر طاقت ور بیرونی اور اندرونی قوتیں اثرانداز ہوتی رہیں، اس نے اس مقدمہ کو ایک غیر معمولی نوعیت دے دی ہے۔ اس نے توہینِ رسالت کے معاملہ کو ہمارے مقدر کا، ہمارے حال اور مستقبل کا ایک آئینہ بنا دیا ہے۔ اگرچہ افسوس کی بات ہے کہ، اس کی وجہ سے ملزمان کی برات بھی مشتبہ ہوگئی ہے، جو یقیناً ان کے ساتھ ایک بے انصافی ہوئی ہے۔

اس آئینہ میں وہ ساری کھلی اور چھپی صورتیں بالکل آشکار ہوگئی ہیں جو آج ہمارے مستقبل کی نقشہ گری اور ہمارے مقدر کے بنانے بگاڑنے میں کلیدی کردار ادا کر رہی ہیں: اندرونی بھی اور بیرونی بھی، تہذیبی بھی اور سیاسی بھی، فکری بھی اور ابلاغی بھی۔ اس آئینہ میں ہم یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ ہماری بربادی کے مشورے کہاں ہو رہے ہیں، جنگ کا نقشہ کیا ہے، محاذ کہاں کہاں کھولے جا رہے ہیں، مورچے کہاں کہاں بنائے گئے ہیں، چالیں کیا کیا چلی جا رہی ہیں، دُور مار توپیں کدھر کدھر سے گولہ باری کر رہی ہیں، ہتھیار کون کون سے استعمال ہو رہے ہیں، پیش قدمی کن کن راستوں سے ہو رہی ہے، اندر کون کون ایجنٹ بنے ہوئے ہیں، عزائم کیا ہیں اور اصل ہدف کیا ہے--اور یہ بھی کہ--ہماری قوت کا اصل راز کیا ہے، ہم بازی کیسے پلٹ سکتے ہیں، بلکہ جیت سکتے ہیں۔

ایک چہرہ مغرب کا ہے، اس کے حکمرانوں، اہل کاروں اور سفارت کاروں، اور میڈیا کے سحر

کاروں کا چہرہ' جو پورے مقدمہ کے دوران تیز تیز چلتے 'بھاگ دوڑ کرتے نظر آتے رہے ۔اب یہ کچھ ایسا ڈھکا چھپا بھی نہیں رہا۔ ذرا موقع نکلتا ہے 'فوراً اوپر سے تہذیب' روشن خیالی' اور انسانی ہمدردی کا چھلکا اتر جاتا ہے 'اور نیچے سے وہی .. ۱۴ سال پرانا 'مسلمان اور اسلام کی دشمنی اور پیغمبر اسلام 'صلی اللہ علیہ وسلم' کے خلاف نفرت اور غصہ ٹپکاتا ہوا چہرہ نمودار ہو جاتا ہے 'سیکولر اور انسانی حقوق کی علم بردار ریاستیں بالآخر محض ''عیسائی'' ریاستیں ثابت ہوتی ہیں جو ہر ملک میں 'ملکی قوانین کے خلاف ' ''عیسائی حقوق'' کے لیے سرگرم ہو جاتی ہیں ۔۔فلسطین ہو یا بوسنیا' کشمیر ہو یا چیچنیا' الجیریا ہو یا فرانس ۔ چہرہ روشن 'اندرون چنگیز سے تاریک تر۔ مغرب کی یہ قوتیں ہمارے ہاں تہذیبی اور سیاسی غلبہ رکھتی ہیں 'ہماری قسمت کے ساتھ کھیل رہی ہیں' یہاں تک کہ اب ہمارا ایک قانون اور ہمارے دو شہریوں کے خلاف ہماری عدالت میں ایک مقدمہ بھی ان کے غلبہ سے آزاد نہیں ۔

ایک چہرہ مغرب کے فرزندوں کا ہے جو لارڈ میکالے کے خواب کی مکمل تعبیر ہیں: ''خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہم میں سے ہیں 'مگر مذاق اور رائے 'الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز''۔یا' خلیل جبران کے الفاظ میں: ''[جن کے جسم خواہ یہاں پیدا ہوئے ہوں] ان کی روحوں نے مغربی ہسپتالوں میں جنم لیا ہے ۔ جو فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے ہیں 'مگر ہمارے سامنے 'افرنگ کے سامنے کمزور اور گونگے ہیں ۔ جو آزادی کے علم بردار ہیں 'مصلح ہیں 'پُرجوش ہیں 'مگر اپنے اسٹیجوں پر' اہلِ مغرب کے سامنے اطاعت کیش اور رجعت پسند ہیں''۔ یہ فرزند انِ مغرب توہینِ رسالت جیسے معاملات میں ایک سو ایک فی صد مغرب کے ہم نوا رہتے ہیں 'مغرب سے بڑھ کر پیش پیش ہوتے ہیں ۔

ایک چہرہ ان کا ہے جو کسی طرح بھی لارڈ میکالے کے خواب کی مکمل تعبیر نہ بن سکے 'وہ اسلام اور ملت سے اپنا رشتہ کھرچ نہیں سکے 'لیکن کسی نہ کسی درجہ میں افکارِ فرنگ کے طلسم میں گرفتار ہیں ۔ان کے مزاج کے لیے بھی یہ قبول کرنا مشکل ہوا ہے کہ توہینِ رسالت کی سزا موت ہو۔وہ پوچھتے ہیں: کیا یہ سخت سزا قرآن سے ثابت ہے؟ کہیں یہ مُلّا کی تنگ نظری اور شدت کا شاخسانہ تو نہیں؟ جو رحمت للعالمین تھے اور جنھوں نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں 'ان کی توہین پر ایسی سخت سزا! دنیا ہمارے بارہ میں کیا کہے گی 'ہمیں کیا سمجھے گی 'ہم اسے کیا منہ دکھائیں گے؟

خود نگری اور مستقبل بینی کا یہ آئینہ ہمارے ہاتھوں میں اگر مسئلہ توہین رسالت 'کے ذریعہ آیا' تو بالکل بجا آیا۔ ''قوم را سرمایۂ قوت ازو' حفظِ سرِّ وحدتِ ملّت ازو'' اور ''ما زحکمِ نسبتِ او ملتیم'': آنحضور ؐ کی ذات مبارک ہی ہماری قوت کا سرمایہ ہے 'ہماری وحدت کا راز آپ ؐ سے وابستگی میں ہے ' آپ سے نسبت ہی نے ہمیں ایک ملت بنایا ہے ۔ بلکہ 'ہمارے جسدِ ملی میں رسالت ہی کی جان

پھونکی گئی ہے 'اسی کے دم سے ہمارا دین ہے' ہمارا آئین ہے۔ "حق تعالیٰ پیکر ما آفرید' وز رسالت در تنِ ماجاں دمید" اور "از رسالت در جہاں تکوین ما' از رسالت دین ما آئین ما":

مغرب کا اضطراب اور شور و غوغا قابلِ فہم ہے۔ اس لیے نہیں' جیسا بعض لوگ سلمان رشدی کے واقعہ کے وقت سے کہہ رہے ہیں' کہ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک رسول کا مقام کیا ہے' اور کیوں ہے۔ مغرب سے ہماری مراد سارے اہلِ مغرب نہیں' ان میں سے اکثر کے بارہ میں یہ بات صحیح ہے۔ اور مغرب کے طلسم میں گرفتار سادہ دل مسلمانوں کے بارہ میں بھی۔ اور یقیناً ان سب کو سمجھانے کی ضرورت ہے' ان کو سمجھا لینے ہی میں ہماری کامیابی پوشیدہ ہے۔ مگر جو حکمراں' سفارت کار' دانشور اور میڈیا کے سحر کار قانونِ توہینِ رسالت کے خلاف پیش پیش ہیں' وہ اسی لیے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمان ملت کی زندگی' وحدت اور قوت و توانائی کا راز حضورؐ کے ساتھ وابستگی اور عشق و محبت میں پوشیدہ ہے' اور ان کی سربلندی کا راز بھی۔ "در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است"

اسی لیے ہزار سال سے اوپر مدت ہوگئی' ان کے نقشہ جنگ کا ہدف یہی "مقام مصطفیٰؐ" ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہی ملّت کا "قلب" اور "دار الحکومت" ہے' اور اس کی شکست و ریخت' بربادی اور اس پر قبضہ کے بغیر اس ملت کو زیر کرنے کا اور کوئی نسخہ نہیں۔ اسی لیے حضورؐ کی ذات ان کے سارے حملوں کا اولین ہدف رہی ہے' اور ہے۔ اسی لیے وہ مسلسل ہر قسم کے انتہائی غلیظ وار آپؐ کے خلاف کرتے رہے ہیں۔ اسی لیے سلمان رشدی ان کی آنکھوں کا تارا ہے' یورپ کی حکومتوں کے سفارتی تعلقات اور تجارتی مفادات اس کے خلاف "فتویٰ" کے محور پر گھوم رہے ہیں۔ اسی لیے تسلیمہ نسرین ان کی ہیرو ہے۔ اسی لیے ہر وہ مسلمان جو شریعتِ مصطفوی کو بے وقعت کرے' جو تعلیماتِ محمدی کو مشکوک بنائے' جو مقامِ مصطفوی کو مجروح کرے' وہ انھیں محبوب ہے۔

اسی لیے حالیہ مقدمہ میں دو افراد کے خلاف مقدمہ دائر ہوتے ہی' بیرونی ذرائع ابلاغ اور سفارت کار حرکت میں آگئے اور یہ واقعہ عالمی شہرت کا حامل بن گیا۔ ان سب کا ہدف ملزموں کی بے گناہی ثابت کرنا نہیں' توہین رسالت کے قانون کی تنسیخ رہا ہے۔ آل انڈیا ریڈیو' بی بی سی' وائس آف امریکہ' اخبارات' جرائد میں نشریات' مضامین اور خبروں کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ بیرونی لابیوں کے ساتھ پاکستان کا ہیومن رائٹس کمیشن بھی متحرک ہوگیا۔ امریکہ میں پاکستانی سفیر' ملیحہ لودھی گوجرانوالہ گئیں اور عدالت پر ضمانت کے لیے زور ڈالا۔ امریکی نائب وزیر خارجہ' رابن رافیل نومبر ۱۹۹۴ میں

اسلام آباد آئیں 'تو وزیراعظم پاکستان کے ساتھ مذاکرات کے دوران اس کیس کو اٹھایا' اور سکرٹری خارجہ نے انھیں یقین دلایا کہ ملزموں کو ضمانت پر رہا کر دیا جائے گا۔ وزیراعظم نے اس مقدمہ میں ذاتی دلچسپی لی 'سزا ہوئی تو انھیں سخت دکھ ہوا۔ اپریل ۹۴ میں مرکزی کابینہ نے ان کی صدارت میں گستاخ رسول کے لیے موت کی سزا کو ۱۰ سال قید کی سزا میں تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ تو عوامی ردعمل کا خوف ہے جو اب تک ایسے کسی اقدام سے روکے ہوئے ہے۔ پھر جب ملزموں کو سیشن کورٹ سے سزا ہو گئی تو سارے بین الاقوامی سفارتی اور ابلاغی ذرائع نے نفرت انگیز پروپیگنڈے اور حکومت پر دباؤ ڈالنے کی مہم تیز تر کر دی۔ برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر ملزمان سے ملاقات کے لیے جیل پہنچ گئے۔ لاہور ہائی کورٹ کی ایک بنچ نے 'جو دو عارضی ججوں پر مشتمل تھی مسلسل روزانہ اپیل کی سماعت شروع کر دی۔ بالآخر ملزمان رہا ہو گئے اور راتوں رات ان کو جرمنی روانہ کر دیا گیا۔

ہم اقلیتوں کو یہی یقین دہانی کراتے رہے ہیں کہ قانونِ توہینِ رسالت کے بعد فیصلے عدالت کرے گی اور لوگ قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لیں گے ' عدالتوں کے فیصلے تسلیم کیے بغیر کوئی مہذب اور پرامن معاشرہ قائم بھی نہیں ہو سکتا۔۔ اور ہمیں امید ہے کہ ہائی کورٹ نے صحیح فیصلہ کیا ہو گا۔۔ لیکن اس مسلسل بین الاقوامی اور حکومتی دباؤ اور عدالتی کارروائی میں حیرت انگیز سرعت نے پورے فیصلہ کو مشکوک بنا دیا ہے۔ اس دباؤ کے آگے اس دباؤ کی کیا حیثیت اور کیا وزن جو عدالتی کارروائی کے دوران اور فیصلہ کے بعد عوام نے لاہور کی سڑکوں پر نکل کر ڈالا۔ ہر تجزیہ نگار' پورا پس منظر جان بوجھ کر نظرانداز کر کے 'سارا زور عوامی احتجاج کی مذمت کرنے میں لگاتا ہے۔ ہم بھی کسی عدالت پر اس طرح عوامی دباؤ ڈالنے کو صحیح نہیں سمجھتے۔ لیکن لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ دوسری طرف سے وہ لوگ زبردست دباؤ ڈال رہے ہیں جن کی مٹھی میں حکمرانوں کے اقتدار کی کنجی ہے ' ڈالر ہیں ' دہشت گرد قرار دینے کی لاٹھی ہے ' امریکہ کے دورہ کا اعزاز ہے 'تو پھر وہ اتنا بھی نہ کرتے تو کیا کرتے۔

تہذیب کے دعووں کے ساتھ اب مغرب کے لیے قرونِ وسطی کی طرح دشنام طرازیاں تو ممکن نہیں ' ان کی جگہ آج کے رائج الفاظ کے پردہ میں توہین رسالت کے قانون پر حملہ ہو رہا ہے: انسانی اور بنیادی حقوق کے خلاف ہے 'مذہبی آزادی کے خلاف ہے 'اظہار رائے کی آزادی کے خلاف ہے ' اقلیتوں کے خلاف تعصب اور امتیاز پر مبنی ہے ' اقلیتی فرقوں کے سر پر ننگی تلوار لٹکا دی گئی ہے 'فرقہ واریت اور ذاتی عناد کی بنا پر غلط استعمال ہو رہا ہے ' اس سے 'ملا کا' بنیاد پرستی کا' مذہبی جنون کا' تنگ نظری کا زور بڑھ گیا ہے' تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے ' وغیرہ وغیرہ۔

توہینِ رسالت کے لیے سزا' اس مقصد کے لیے رائج الوقت قانون' اس کا استعمال اور اس بارہ

میں خدشات کو حالیہ مقدمہ سے الگ کر کے دیکھا جائے' تب ہی ایک منصف مزاج آدمی اس قانون کے خلاف سارے مباحث میں کسی صحیح نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے۔

بنیادی اور اولین سوال یہ ہے کہ کیا توہین رسالت کوئی جرم نہیں ہے' اور جرم ہے بھی تو کیا اس پر کوئی سزا نہیں ہونا چاہیے؟ رسالت تو بڑی چیز ہے' دنیا بھر میں ہمیشہ سے کسی بھی انسان کی عزت و آبرو کو نقصان پہنچانا' تحریراً ہو یا زبانی' ایک جرم قرار دیا گیا ہے' اور ہتک عزت کے جرم کے لیے سزا کا قانون موجود رہا ہے۔ کسی کے وہم و گمان میں کبھی یہ نہیں آیا کہ کسی دوسرے انسان کی بے عزتی کرنا' توہین کرنا ایک انسان کا انسانی اور بنیادی حق ہو سکتا ہے' اور اس پر سزا دی جائے تو اس حق کی خلاف ورزی ہوگی۔ آج مغرب میں بھی یہی تصور اور یہی قانون ہے۔ ہاں' یہ بات ضرور ہے کہ مغربی قوانین کے تحت جس کی ہتک عزت ہوئی ہو وہ خود ہی مدعی بن سکتا ہے۔ گویا' کیونکہ رسول' یا کوئی بھی دنیا سے گزرا ہوا آدمی' اب خود مدعی نہیں بن سکتا اس لیے اس کی جتنی توہین کر لی جائے' یہ جرم قابلِ سزا نہیں ہو سکتا۔ سلمان رشدی کے معاملہ میں مغرب نے مسلمانوں کے خلاف اسی دلیل کا سہارا لیا۔

لیکن اس سے زیادہ بودی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟ جب ایک عام آدمی کی ہتکِ عزت بھی قابلِ تعزیر جرم ہو' تو اس شخص کی ہتک عزت کیوں نہ ہو جو کروڑوں کو اپنی جان و مال ہی نہیں اپنی ذات سے بڑھ کر محبوب ہے' جس کی عزت اور نام سے ان کی عزت اور نام وابستہ ہے' جس کی توہین سے ان کی ذات کی' ان کے نام کی' ان کی اپنی عزت کی' ان کے دین کی' ان کے آئین کی' ان کی ملت کی توہین ہوتی ہے؟ حضورؐ کا مقام تو ہر مسلمان کے لیے یہی ہے۔ اس کی آبرو آپؐ کے نام سے ہے: ''آبروے ما ز نام مصطفیٰ است''۔ وہ مسلمان ہو نہیں سکتا جب تک حضورؐ اسے اپنی جان' مال' والدین' دنیا کی ہر چیز' یہاں تک کہ اپنے نفس اور ذات سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ و الناس اجمعین (بخاری، مسلم)۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا اس جرم کے لیے موت کی سزا بہت سخت اور احترامِ آدمیت کے خلاف ہے؟ اگر اعتراض فی نفسہٖ موت کی سزا پر ہے کہ یہ وحشیانہ ہے' تو وہ زمانہ گزر گیا جب تہذیب کے جوش میں موت کی سزا کو بالکل منسوخ کرنے کی ہوا چلی تھی۔ اب تو انتہائی ''مہذب'' اور ''انسان دوست'' ہونے کے دعوے دار ملکوں میں' ایک کے بعد ایک' یہ سزا بحال کی جا رہی ہے' بلکہ ہر ملک جہاں یہ سزا ختم کی گئی' وہاں کی بھاری اکثریت موت کی سزا کی بحالی کے حق میں ہے۔ نہ صرف موت کی سزا' بلکہ جسمانی سزا کے حق میں بھی۔ جب سنگاپور میں ایک امریکن کو ۶ بید مارنے کی سزا دی گئی تو'

حکومت اور چند طبقات کی مخالفت کے باوجود' امریکنوں کی اکثریت نے اس سزا کی حمایت کی۔ مغرب میں بھی اس قسم کے جرم پر سخت سزاؤں کے قوانین موجود ہیں' اور پہلے تو زندہ جلایا جاتا رہا ہے۔

اگر اعتراض یہ ہو کہ یہ سزا جرم کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہے' تو اس جرم کی نوعیت کا فیصلہ تو وہی کر سکتے ہیں جن کو اور جن کے پورے معاشرہ کو اس جرم سے نقصان پہنچ رہا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار' اخلاق' صداقت' امانت' عدالت کو مجروح کرنا دراصل دین' ایمان' آئین' ریاست اور پوری امت مسلمہ' سب کو مجروح کرنا ہے۔ مسلمان ہی اس معاملہ میں مناسب قانون سازی کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ ان کی متفقہ نے یہی سزا مناسب سمجھ کر یہ قانون منظور کیا ہے' ان کی اعلیٰ عدالتوں نے اس پر مُہرِ تصدیق ثبت کی ہے۔ یہ ایک جمہوری طریقے سے طے کردہ قانون ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عمر قید کی سزا موت کی سزا سے زیادہ وحشیانہ اور ظالمانہ سزا ہے' لیکن کوئی پارلیمنٹ یا کانگریس اپنی حدود میں یہ سزا دینے کا قانون بنائے' تو ہم اس کا فیصلہ کیسے بدلوا سکتے ہیں؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا یہ قانون عیسائی اور ہندو جیسے اقلیتی فرقوں کے خلاف تعصب و امتیاز پر مبنی ہے' ان کو کچلنے' دبانے اور حقوق سے محروم کرنے کے لیے بنایا گیا ہے' گویا ان کے سروں پر ننگی تلوار لٹکا دی گئی ہے؟ جہاں تک قانون کا تعلق ہے' اس میں ایک حرف اور ایک نقطہ بھی ایسا نہیں بتایا جا سکتا جو اقلیتی فرقوں کے خلاف ہو یا ان کا کوئی حق سلب کرتا ہو۔ اس کا اطلاق کسی نام نہاد مسلمان پر اسی طرح ہو گا جس طرح غیر مسلم پر۔ تعصب و امتیاز کی بات اس وقت صحیح ہو سکتی ہے جب یہ گمان کیا جائے کہ اقلیتی فرقوں کی باقاعدہ نیت یا پروگرام ہے کہ وہ توہین رسالت کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کا ایسا کوئی ارادہ یا منصوبہ نہیں' اگرچہ باہر والے ان سے یہ حرکت کروا کے انھیں اپنے مسلمان بھائیوں سے لڑانے اور انھیں پاکستان میں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے منصوبے رکھتے ہوں۔ اگر اعتراض کی بنیاد یہ ہو کہ اس میں دوسرے مذاہب کے پیغمبروں کی توہین کو شامل نہیں کیا گیا ہے' تو یہ اعتراض بجا ہے اور اسے' اسلامی نظریاتی کونسل اور شریعت کورٹ کی سفارش کے مطابق' دُور کیا جانا چاہیے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ کیا یہ قانون اس لیے منسوخ کر دیا جائے کہ ذاتی عناد یا فرقہ واریت کی خاطر اس کا غلط استعمال ہوا ہے' یا خدشہ ہے کہ ہو سکتا ہے؟ اگر خود قانون میں کوئی ایسی خامی ہے' خلا ہے' ابہام ہے' جو غلط استعمال کا ذریعہ بن سکتا ہے' تو ہماری رائے میں ایسی ہر خامی کو دور کیا جانا چاہیے' اور ممکنہ غلط استعمال کے خلاف ہر ممکن تحفظ فراہم کرنا چاہیے۔ یہ ایسا معاملہ نہیں جو باہمی گفت و شنید سے حل نہ کیا جا سکتا ہو۔ ہمیں صرف مقام رسالت کا تحفظ مطلوب ہے' بے گناہ لوگوں کو توہین رسالت کے نام پر سزا دلوانا تو خود توہینِ رسالت کے زمرہ میں آ سکتا ہے۔

لیکن اگر غلط استعمال کسی فرد یا پولیس کے غلط کردار کی وجہ سے ہے ' تو اس کا علاج منسوخی نہیں ۔ اس وجہ سے تو ہر قانون کا غلط استعمال ہو رہا ہے ۔ قیام امن کے ' انسداد دہشت گردی کے ' لوٹ کھسوٹ اور بدعنوانیوں کی روک تھام کے ' قوانین حکومتیں بے دردی کے ساتھ اپنے سیاسی مخالفین کو کچلنے کے لیے استعمال کر رہی ہیں ' کیا ان سب کو منسوخ کر دیا جائے ؟ قتل کے قانون کے تحت پولیس اور بااثر لوگ بے گناہوں کو پھانستے ہیں ' ان کو لوٹا جاتا ہے ' بعض پھانسی پر بھی چڑھ جاتے ہیں ' کیا ان کو بھی منسوخ کر دیا جائے ؟ کوئی معقول آدمی یہ بات نہیں کہے گا ۔ ذاتی عناد کی بنا پر بھی ملک میں بے شمار مقدمات کھڑے کیے جاتے ہیں ۔ اس ظلم کا کوئی خصوصی تعلق اقلیتی فرقوں سے نہیں ۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ کیا قانونِ توہینِ رسالت کی وجہ سے فرقہ واریت میں ' مذہبی جنون میں ' اقلیتوں کے خلاف تشدد میں اضافہ ہوا ہے کہ یہ قانون منسوخ کر دیا جائے ؟ سب سے زیادہ اضافہ ہوا ہے اور شدت پیدا ہوئی ہے تو شیعہ سنی فرقہ واریت میں ۔ حد سے بڑھتی ہوئی قتل و خون ریزی کی وجہ نسلی اور لسانی تعصبات ' سیاسی جھگڑے اور انتقامی کارروائیاں ہیں ۔ اس میں کوئی دخل قانون توہین رسالت کا نہیں ' نہ کسی اور قانون کا ۔ اور ان کا شکار اکثریتی فرقہ ہے نہ کہ اقلیتی فرقے ۔ ایک ایسے معاشرہ میں جہاں روز بروز تشدد اور خون ریزی بڑھ رہی ہے ' کیا اقلیتی فرقوں کے لوگ اس سے بالکل محفوظ رہ سکتے ہیں ؟ پھر تشدد کے ہر واقعہ کو فوراً اقلیت کے خلاف ظلم قرار دینا کہاں تک بجا ہے ؟ پاکستان میں آج تک کوئی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا ' ذرا بھارت کے جمہوری ' سیکولر ' روشن خیال ملک پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے ' جہاں کوئی مذہبی قوانین نہیں ' جہاں ملا کا غلبہ نہیں ' جہاں افغان جہاد کی باقیات نہیں ' لیکن جہاں فرقہ وارانہ فسادات روز کا معمول ہیں ۔

قرآن و سنت کے دلائل سے جس طرح شاتم رسول کی سزا ثابت ہے ' اور اس پر جس طرح فقہائے امت کا اجماع ہے اور جس طرح اس پر ' ماسوا دورِ غلامی کے ' ہر مسلمان ملک میں ہر زمانہ میں عمل درآمد ہوتا رہا ہے ' اور دورِ غلامی میں بھی مسلمان جس طرح اپنا خون دے کر اسے نافذ کرتے رہے ہیں ' اسے بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں ۔ اس بارہ میں جمہور مسلمانوں کے درمیان نہ کبھی اختلاف رہا ' نہ کوئی شک و شبہ ۔ جس کو تحقیق کا شوق ہو ' اس کے لیے ۱ ۔ محمد اسمٰعیل قریشی کی ناموس رسول اور قانونِ توہین رسالت ' ۲ ۔ ابن تیمیہ کی الصارم المسلول علی شاتم الرسول ' ۳ ۔ تقی الدین سبکی کی السیف المسلول علی من سب الرسول ' اور ۴ ۔ ابن عابدین شامی کی تنبیہ الولاۃ و الحکام علی احکام شاتم خیر الانام کا مطالعہ کافی ہو گا ۔

لوگ پوچھتے ہیں کہ رحمت للعالمین نے تو گالیاں سن کر 'پتھر کھاکر ' دعا دی ' اب ان کو گالی دینے والے کو موت کی سزا دی جائے ؟ ایسے لوگ رحمت کے مفہوم سے آگاہ نہیں ۔ رحمت کا تقاضا جہاں عفو و درگزر ہے ' وہاں انصاف بھی ہے ۔ رحمت للعالمین نے واقعہ افک میں قذف کے مرتکبین کو کوڑے لگوائے ' زنا کے مجرموں کو سنگسار کرایا مسلح لشکر لے کر نکلے جس نے بدر کے میدان میں ۷۰ سرداران قریش کو تہہ تیغ کر دیا ' فتح مکہ کے دن جب ہر جانی دشمن کو معافی مرحمت فرما دی گئی ' چھ مرتدین اور شاتمین کے قتل کا حکم صادر ہوا ۔ آپ "یہ نہ کرتے تو فساد مچتا ' اور زیادہ ظلم برپا ہوتا ۔ آپ نے کوئی حکم اپنی ذات کی خاطر نہیں دیا ' دین اور ملت کے تحفظ کی خاطر دیا ۔ جب رسالت ہی ایمان کی ' دین کی ' ملت کی بنیاد ہے ' اس کی زندگی کی ضمانت ہے ' تو توہین رسالت کے مجرم کو سزا دینا عین رحمت کا تقاضا تھا ۔ اسی لیے یوم قیامت کو ۔۔ جس دن نیکوکاروں کو انعام سے نوازا جائے گا ' مگر بدکار جہنم میں جھونکے جائیں گے ۔۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت ' رحمانیت اور رحیمیت کا دن قرار دیا ہے (الفاتحہ ' الانعام) ۔

موت کی سزا کا قانون کچھ فقہا و علما ' ملاؤں اور جنونیوں ہی کا "جرم" نہیں ' اچھے اچھے مغربی تعلیم یافتہ لوگ ' جنھوں نے روحِ اسلام کو ضائع نہ کیا اور مقامِ محمدی ؐ سے آگاہ رہے ' اس "مذہبی جنون" کے جرم میں شریک رہے ہیں ۔ علم الدین شہید نے ' قانون اپنے ہاتھ میں لے کر ' راج پال کو قتل کیا تو اس کے مقدمہ کی پیروی قائداعظم نے کی ' علامہ اقبال نے رشک کے ساتھ کہا کہ "یہ لونڈا ہم سب پر بازی لے گیا" ' اسے اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا ' اور یہ شعر بھی کہا:

"ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ قدر و قیمت میں ہے جن کا خون حرم سے بڑھ کر"

اسی جرم میں ایک خانساماں نے ایک انگریز میجر کی بیوی کا کام تمام کر دیا ۔ میاں سر محمد شفیع نے ' جو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن بھی تھے ' اس کے مقدمہ کی پیروی کی ۔ دورانِ بحث ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے ۔ ہائی کورٹ کے انگریز ججوں نے حیرت سے پوچھا: "سر شفیع ' کیا آپ جیسے ٹھنڈے دل و دماغ کا بلند پایہ وکیل بھی اس طرح جذباتی ہو سکتا ہے ؟" سر شفیع نے جواب دیا: "جناب ' آپ کو نہیں معلوم ' ایک مسلمان کو اپنے پیغمبر کی ذات سے کتنی گہری عقیدت اور محبت ہوتی ہے ۔ سر شفیع بھی اگر اس وقت وہاں ہوتا تو وہ بھی یہی کر گزرتا جو اس ملزم نے کیا ہے" ۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے بعض مسیحی بھائیوں نے اس قانون کے معاملہ میں حق پسندانہ اور معتدل مسلک اختیار کیا ہے ۔ بلوچستان اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر ' آں جہانی بشیر مسیح کے الفاظ ایسے ہی موقف

کے آئینہ دار ہیں: "ہم اس [قانون] کے خلاف نہیں۔ کوئی بھی سچا مسیحی توہین رسالت کا تصور نہیں کر سکتا، اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر واقعی کوئی اس قبیح جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ موت سے بھی سخت سزا کا حق دار ہے۔ لیکن یہ نہیں ہونا چاہیے کہ کسی بے گناہ کو اس قانون کا نشانہ بنایا جائے"۔ (عالم اسلام اور عیسائیت، ج ۴، ش ۶، جون ۱۹۹۴، ص ۴)۔ اسی طرح ماہنامہ کلام حق میں پادری ڈاکٹر کے ایل ناصر کے صاحبزادہ میجر ڈی ناصر کے الفاظ ہیں: "ہم مسیحی قوم تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵-سی یعنی گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم [کی سزا] کے مخالف نہیں۔ ہم صرف یہ درخواست کرتے ہیں کہ ایک خصوصی کمیشن بنایا جائے۔۔ غیر جانبدارانہ تحقیقات کریں اور اگر ملزم واقعی مجرم ہو تو اس کو قانون کے مطابق سزا دی جائے، ورنہ بصورت دیگر رہا کر دیا جائے۔ مقدمہ بھی خصوصی عدالت میں چلایا جائے، اور ملزم کو تمام قانونی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں، تاکہ اقلیتوں، خاص طور پر مسیحی اقلیت کو تحفظ و انصاف کا احساس ہو" (ایضاً، ص ۲۵)۔ یہ مطالبات یقیناً بجا ہیں۔

لیکن ہمیں افسوس ہے کہ مسیحی لیڈروں کی اکثریت، سوچے سمجھے بغیر، اس قانون کی اندھی مخالفت پر تُل گئی ہے۔ اس طرح وہ ایک طرف مغربی سامراجی طاقتوں کے آلۂ کار بھی بن رہے ہیں، دوسری طرف پاکستان میں اسلام دشمن اور سیکولر عناصر کے دوش بدوش کھڑے ہوگئے ہیں۔ ہم ان کی خدمت میں ادب سے عرض کریں گے کہ اگر ان کے پیشِ نظر اس قانون کے بارہ میں خدشات کے خلاف ضروری تحفظات حاصل کرنا ہے، بلکہ پاکستان کے شہری ہونے کے ناتے پاکستان میں اپنا جائز مقام حاصل کرنا ہے، تو انھوں نے غلط راستہ اختیار کیا ہے۔ نہ بیرونی طاقتوں کی مداخلت سے انھیں یہ حاصل ہو سکتا ہے، نہ سیکولر عناصر کی مدد سے، اگرچہ وہ اقتدار میں آجائیں۔ اس کا راستہ یہ ہے کہ وہ محب اسلام ممتاز شہریوں اور حق پسند علما اور دینی جماعتوں سے گفت و شنید کا آغاز کریں، انھیں اپنے خدشات سے آگاہ کریں، ممکن ہو تو ایک مشترک مسلم کرسچین کونسل تشکیل دیں، مسلمانوں پر زور دیں کہ وہ خاص طور پر اس قانون کے ضمن میں اسلام کے قانونِ عدل و شہادت کے تقاضوں کی تکمیل یقینی بنائیں، وہ ترمیمات کرانے میں ان کی مدد کریں جو قانون کو بے اثر بنائے بغیر کی جاسکتی ہیں، اور ان کے ساتھ انھی خطوط پر معاملہ کریں جو حضور ؐ نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ اختیار کیے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس طرح دونوں کے تعلقات بھی خوش گوار ہو جائیں گے، ان کے مسائل کا حل بھی خوش اسلوبی سے نکل آئے گا۔

شاید انھیں اسلام کے قانونِ عدل کے ان تقاضوں کا علم نہیں، جن کا نفاذ ان کے خدشات کے ازالہ کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔

۱- حد کی سزا صرف حکومت دے سکتی ہے 'کسی مسلمان کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کا اختیار نہیں ۔جب منظور مسیح کو قتل کیا گیا تو ہم نے آگے بڑھ کر ترجمان کے صفحات میں اس کی مذمت کی ۔

۲- عدالت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ گواہوں کی مناسب جانچ پڑتال کرے ۔اس لیے کہ ''حد کی سزا میں شہادت کا معیار عام شہادت کے معیار سے بہت زیادہ سخت اور غیر معمولی ہے --ایسے گواہوں کی شہادت قبول ہوتی ہے جو گناہ کبیرہ سے اجتناب کرتے ہوں 'صادق القول اور عادل ہوں ' اور مزید برآں تزکیہ الشہود کے معیار پر بھی پورا اترتے ہوں'' (محمد اسماعیل قریشی 'ص ۴۶۶)

۳- جرم ثابت ہونے میں ایک شبہ بھی رہ جائے تو ''شک کا فائدہ بھی اسلامی قانون کی رو سے ملزم کو پہنچتا ہے --حدیث مبارک ہے ادرو الحدود بالشبہات 'حدود کی سزاؤں کو شبہات کی بنا پر ختم کر دو'' (ایضاً ص ۴۶۷)۔

۴- عدالت ملزم کی نیت کا تعین بھی کرے گی 'کیونکہ ''نیت کے بغیر اسلامی قانون میں کوئی جرم مستوجب سزا نہیں ہوتا'' (ایضاً ص ۴۶۷)۔

۵- حضورؐ کا یہ فرمان بھی اسلامی قانون کا ایک بنیادی اصول ہے کہ ''ایک مجرم کو بَری کر دینے کی غلطی ایک بے گناہ کو سزا دینے کی غلطی سے بہتر ہے'' (سنن البیہقی 'ج ۸ 'ص ۱۸۴)۔

بجائے اس کے کہ ہمارے مسیحی بھائی پاکستان کی سیکولر حکومت کے وعدوں پر جییں 'باہر کی مسیحی طاقتوں سے آس لگائیں ۔کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ مسلمان 'عیسائی 'ہندو مل کر ایک متفقہ ترمیمی بل حکومت اور اسمبلی کے سامنے پیش کر دیں 'جو اسلامی قانون کے مطابق بھی ہو اور اقلیتوں کے لیے انصاف اور تحفظ کا ضامن بھی ۔ہماری رائے میں علما اور دینی جماعتوں کو اس مقصد کے لیے عیسائی رہنماؤں سے ڈائیلاگ شروع کرنا چاہیے۔

حالیہ قضیہ نے جو آئینہ ہمیں دیا ہے 'اس میں مسلم ملت کی قوت کا اصل سرچشمہ بھی عیاں ہو رہا ہے ۔یہ سرچشمہ وہی ہے جس کے پیچھے ہمارے دشمن ۱۴۰۰ سال سے آج تک لگے ہوئے ہیں ۔ہماری قوت و توانائی کا سامان وہ ڈالر 'وہ اسلحہ 'وہ قرض اور امداد 'وہ نسخے کیسے کر سکتے ہیں 'جو ہمارے دشمن خود ہمیں فراہم کر رہے ہیں ۔یہ سرچشمہ تو روزِ اول سے دلِ مسلم میں مقامِ مصطفیٰؐ ہے 'عشقِ مصطفیٰؐ ہے 'اور ملت کی پوری زندگی میں اتباع اور اطاعتِ مصطفیٰؐ ہے ۔ہمیں اسی چشمہ سے سیراب ہونے میں لگ جانا چاہیے۔

آج تاریخ کا اسٹیج اسلام اور مغرب کے درمیان معرکہ کے لیے تیار ہو رہا ہے ۔ بظاہر ہمارا اور

مغرب کا کیا مقابلہ۔ نہ ہمارے پاس اسلحہ ' نہ ٹیکنالوجی ' نہ معاشی ترقی ' نہ اتحاد ' نہ لیڈرشپ ' نہ منزل ' نہ مقصد۔ لیکن ان میں سے ہرچیز ہمیں حاصل ہو جائے گی اگر ہم قوت اور توانائی کے اس سرچشمہ تک پہنچ جائیں۔

کیمیا پیدا کن از مشت گلے بوسہ زن بر آستان کاملے
دل زعشق او توانا می شود خاک ہم دوش ثریا می شود

انسان کامل کے آستانے پر سر رکھ کے بوسہ دینے ہی سے ہماری مشت خاک سونے کا ہمالہ بنے گی ' آپ کے عشق سے ہی ہمارے دل توانا ہوں گے ' ہماری ترقی آسمان سے باتیں کرنے لگے گی۔

اس سے زیادہ فریب انگیز مغالطہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ "ترقی پسند" بننا ہے یا "بنیاد پرست"۔ ہمیں نہیں معلوم بنیاد پرست کے کیا معنی ہیں۔ لیکن ہماری بنیاد تو حضور ؐ کی ذات ' آپ ؐ کی لائی ہوئی کتاب ' آپ ؐ کی سنت اور آپ ؐ کا اسوہ ہے۔ ہم ' جو اس بنیاد کے ناتے "بنیاد پرست" ہیں ' سب سے بڑھ کر ترقی پسند ہیں۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ امریکہ کی انگلی پکڑ کر چلے تو ترقی نہیں موت اور ذلت کا گڑھا ہمارا مقدر ہے۔ اس راہ کو چھوڑ کر چلنے والے "ترقی یافتہ" مسلمان ممالک کے ڈھانچے ہمارے سامنے بہت موجود ہیں۔

گشودم پردہ را از روئے تقدیر مشو ناامید و راہ مصطفیٰ گیر
مقام خویش اگر خواہی دریں دیر بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو

کاش ہم تقدیر کے اس راز کو پا لیتے ' مستقبل بنانے کی وہ راہ پکڑ لیتے جو ترقی اور عروج کی ضامن ہے ' اور دنیا میں اپنا وہ مقام بنا لیتے جو ہمارا مقدر ہے۔ وہ راہ ' راہ مصطفیٰ ؐ کے سوا اور کوئی نہیں۔

دامنش از دست دادن موت است۔ حضور ؐ کا دامن ہاتھ سے چھوٹنا پروانہ موت ہے۔ آج کل مسلمان ہر جگہ ' خصوصاً وطن عزیز پاکستان میں ' زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ لوگ پوچھتے ہیں ' علاج کیا ہے ' حل کیا ہے؟ علاج اور حل تو ایک ہی ہے۔ پہلے بھی ' قوم زندگی از دم او یافت ' حضور ؐ کے دم سے ہی زندگی ملی تھی ' اور آج بھی سب کچھ آپ ؐ کا دامن پکڑ کے ' آپ ؐ کا مشن پورا کرنے ' اور آپ ؐ کے پیچھے چلنے ہی سے ملے گا۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے دہر میں اسم محمد ؐ سے اجالا کر دے
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں